ماہِ نو

ڈاکٹر رویندر ناتھ ٹیگور کے شِشُو کا اُردو ترجمہ

از

حامد اللہ افسر بی، اے

MEERUT.
THE INDIAN BOOK DEPOT.

Price As.

تقریب

"ماہِ نو" ڈاکٹر رویندر ناتھ ٹھاکر (ٹگور) کے "شِشُو" کا ترجمہ ہے، اس کے اکثر حصوں کا ترجمہ العصر لکھنؤ نقیب بدایوں شباب اُردو لاہور اور ان کے علاوہ چند اُردو کے اور ماہانہ رسالوں میں شائع ہو چکا ہے، ان رسائل کے اڈیٹر صاحبان میرے اکثر احباب، اور غائبانہ کرم فرماؤں نے اس ترجمہ کو بہت پسند فرمایا اور اسی لئے مجھے جرأت ہوئی کہ "شِشُو" کا ترجمہ ایک کتاب کی صورت میں شائع کر دوں،

اصل کتاب چھوٹی چھوٹی متعدد نظموں کا مجموعہ ہے، یہ نظمیں مسلسل نہیں ہیں اور سب بچوں کے متعلق ہیں، ممکن تو تھا کہ ترجمہ بھی نظم ہی میں کیا جاتا، لیکن نظم کا نظم ہی ترجمہ کرنے سے ٹگور کے خیالات کا بڑا حصہ بحر و قوافی کے شکنجہ میں کو نکل کر جوں کا توں قائم نہ رہ سکتا، شاید یہی وجہ تھی جس نے ٹگور کو اسی کتاب کا انگریزی ترجمہ نثر میں کرنے پر مجبور کیا،

ٹگور کی اکثر تصانیف کا ترجمہ قریب قریب دُنیا کی ہر زبان

لے ماہِ نو میں شِشُو کی تمام نظموں کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ جتنی نظمیں انگریزی ترجمہ میں ہیں اُتنی ہی اس میں ہیں،

میں ہو چکا ہے، لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ
اُردو اب تک ٹگور کے خیالات سے محروم ہے کہ اُردو خواں
پبلک کے کانوں تک کسی نے ٹگور کا پیام نہیں پہنچایا، جو
لوگ اِس کام کو اچھّی طرح انجام دے سکتے تھے اُنہوں نے
اِدھر توجہ نہ کی، اور جو مطلق اہل نہ تھے میدان میں کود پڑے
اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ ٹگور کے کلام کو محض بے معنی
اور اُلجھے ہوئے خیالات کا مجموعہ سمجھنے لگے جو نہایت غیر
مانوس لفظوں اور لفظوں کی دور از کار ترکیبوں میں ظاہر
کئے جاتے ہیں، چنانچہ اب تک جس قدر ٹگور کے کلام کا
ترجمہ مختلف اُردو کے رسالوں میں میری نظر سے گزرا ہے اُسے
ٹگور کے کلام سے وہی نسبت ہے جو تاریکی کو نور سے یا
زیادہ سے زیادہ یہ کہئے کہ مٹّی کے دُھندلے چراغ کو آفتاب
عالمتاب سے، لطف یہ ہے کہ یہ سلسلہ ترجموں ہی تک محدود
نہ رہا بلکہ اکثر اصحاب کو ٹگور کے اِس خیالی رنگ میں
اُوٹ پٹانگ مضامین لکھنے کا خبط ہوا، اور اِس خبط کو ایسی ترقّی
ہوئی کہ اُردو کے اکثر رسالے سر سے پیر تک بے معنی اور
فضول الفاظ کا مجموعہ نظر آتے ہیں،

ٹگور کے کلام کی خصوصیّات بیان کرنے کے لئے ایک مستقل کتاب[1] کی ضرورت ہے۔ یہاں محض یہ سمجھ لینا کافی ہے کہ ٹگور کا طرزِ تحریر بنگالی زبان میں نہایت سادہ اور صاف ہے، وہ اپنے بلند سے بلند تر اور باریک سے باریک تر خیال کو اُس زبان میں نہایت خوبی سے ادا کرتے ہیں جو روزمرّہ بنگال کے گلی کوچوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے،

ٹگور ایک زبردست صوفی ہیں، ذرا گہرے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ شیرازی جس میخانے کے ساقی ہیں اُسی کے ایک جُرعہ نوش ٹگور بھی ہیں، ٹگور کے کلام کا بڑا حصّہ معرفت میں ڈوبا ہوا ہے، اور یہی چیز تھی جو ایشیائی شاعری کے اِس خوش رنگ پھول کی خوشبو مُلکوں مُلکوں لے گئی اور سارے جہان کا دماغ معطّر کردیا،

ٹگور کے کلام کی یہ خصوصیت حقیقت میں ایشیا اور خصوصًا ہندوستان کے لئے کوئی نئی چیز نہیں ہے، یہاں کے کونے کونے میں ایک ٹگور موجود ہے، یہاں کے ہر پھول میں یہی بو ہے، یہاں کی ہر نَے سے یہی صدا نکلتی ہے، غرض یہ کہ یہاں

[1] "حیاتِ ٹگور" عنقریب شائع ہونے والی ہے ۱۲

کا ذرّہ ذرّہ ٹگور کا ہمنوا ہے، لیکن مادّہ پرست مغرب کے لئے یہ باتیں نئی تھیں اور اس میں ذرا شبہ نہیں کہ نئے انداز سے پیش کی گئی تھیں، چنانچہ گیتانجلی کے شائع ہوتے ہی یورپ میں غُل مچ گیا، مولوی معنوی، حافظ، جامی اور عمر خیام کی روحانی تعلیم کو ٹگور کی زبان اور ٹگور کے اندازِ بیان نے ایسی جِلا دی کہ آج مادّہ پرست دُنیا اُنہیں خیالات پر لوٹی جاتی ہے جو کبھی "بے خبر اور عیش پسند شرابیوں کی لغو اور بے معنی بڑ" سے زیادہ وقعت نہ رکھتے تھے، اِس میں شک نہیں کہ ٹگور کے بیان میں وہ ندرت اور خیالات میں وہ جدّت ہے جس کی مثال شعرائے ماضی و حال میں ملنا محال ہے، اور حقیقی نیچرل جذبات کے اظہار میں اس "ملک الشعرائے ایشیا" کو جو کمال حاصل ہے وہ دُنیا کے بہت کم لوگوں کو نصیب ہوا ہے،

ٹگور فطرتِ انسانی کا ایک باکمال مصوّر ہے، خصوصًا بچّوں کے حسّیات اور ان کے خیالات کی جیسی سچّی اور بے عیب تصویریں اس نے کھینچی ہیں وہ اور کہیں نظر نہ آئیں گی،

بچّہ ہمیں فردوس کی نعمتوں کا پتہ دیتا ہے خدا سے قریب تر رکھتا ہے، وہ گناہ سے پاک ہے اور معصیت سے دور ہے اور اُس کی تقدّس مآب ہستی فرشتوں پر ایمان لانے کے لئے مجبور کرتی ہے،

علمِ ادب کے بہترین کارنامے بچّوں کی اِن خصوصیّات کے رہینِ منّت ہیں، ہندوستان کے شعراء اور انشا پرداز بھی اِس عالمگیر اثر سے مستفید ہونے میں کسی سے پیچھے نہیں رہے، گوکل میں کرشن کے بچپن کی پیاری داستان نے ہمارے شعراء کے کلام کو وہ زینت بخشی جس کی نظیر مِلنا محال ہے، کالی داس کے کمار سمبھو میں پاربتی کے بچپن کا ذکر اور شکنتلا میں بھارت کے لڑکپن کا بیان ایسا دلکش اور پُر اثر ہے کہ اُسے ایک بار پڑھنے ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز ہمیں کسی ایسی نورانی سرزمین کی طرف کھینچ رہی ہے جو گُناہوں سے پاک اور عیبوں سے بَری ہے اور جہاں ہر لمحہ برکاتِ آسمانی کا نزول ہوتا رہتا ہے، یہی سبب ہے کہ ہندو مذہب میں بال کرشن، و نانک اور سبرامنی کی، بال سروپ میں خدا کی پرستش

کی جاتی ہے،
ششؔو کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے بچّوں میں حقیقی راحت و شادمانی کا ایک خزینۂ بے بہا ہمارے لئے ودیعت فرما دیا ہے، ششؔو سے اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ خدائے عزوجل کیونکر ایک بچّہ کی صورت میں جلوہ افروز ہوکر اس امر کا اظہار فرماتا ہے کہ کس قسم کے اوصاف و خصائل اُسکی نظر میں پسندیدہ ہیں، اور پھر یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بچّے کس طرح ہمیں رنج و غم اور مصیبت و پریشانی سے کوسوں دور رکھتے ہیں،
ششؔو کی ہر سطر سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹگور نے بچّے کے دل و دماغ، اُس کے جذبات، اُس کے حِسّیات، اُس کے خیالات، اس کی معصومیت اور اُس کی سادگی کا بڑے غور و توجہ سے مطالعہ کیا ہے اور ان نظموں کو زیبِ قرطاس کرتے وقت ان تمام خصوصیات کا نہایت گہرا مگر کیفیت افزا اثر انپر طاری رہا ہے،
پہلی ہی نظم سے ظاہر ہے کہ بچّے کیونکر انسان کو زندگی

کی سچی خوشی اور حقیقی انبساط سے معمور کرتے ہیں، شتو کی متعدد نظموں میں نہایت با اثر طریقہ سے اس امر کا اظہار کیا ہے کہ بچّہ کی محبّت سونا، چاندی، سلطنت اور اس کے تمام لوازمات یہاں تک کہ دُنیا کی تمام دلکش اور دلفریب چیزوں سے زیادہ قیمتی ہے، سچ یہ ہے کہ بچّے کی سادگی اور بھولے پن میں حقیقی بزرگی اور مقدّس روحانیت موجود ہے،

بچّہ کو اُن مصنوعی اور پریشان کُن پابندیوں کا احساس نہ ہونا جن کو ہم تہذیب و ترقّی کا سرمایہ تصوّر کرتے ہیں، اُس کی وقت اور موقعہ کی قیود سے بے خبری، ایسی باتیں ہیں جو ہم کو ایک بالکل نئی دُنیا میں لیجاتی ہیں جہاں خود غرضی اور خود مطلبی کا پتہ نہیں،

سچ یہ ہے کہ بچّے ہی کے طفیل خاک کا پُتلا انسان اپنے مادّی وجود سے اُبھر کر روحانی مسرّت حاصل کرتا ہے بچّہ ہی رحم، ایثار، محبّت، خلوص اور خوشی کے بقا اور نشو و نما کا ذریعہ ہے اور یہی وہ چیزیں ہیں جن کی مدد سے انسان حیاتِ اَبدی حاصل کر سکتا ہے،

ماہِ نو سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اپنے گرد و پیش کی اشیاء کی حقیقت اور اُن کے وجود کے مقصد کو صحیح طور پر دیکھا جائے تو عین راحت اور مسرّت کا باعث ہوتا ہے ،

ماہِ نو کی بعض نظموں سے معلوم ہوتا ہے کہ بچّوں شرارتیں، انکی کمزوریاں ، انکی غلطیاں دنیا کی اچھّی اچھّی نیکی سے زیادہ بھلی، راحت رساں اور پیاری معلوم ہوتی ہیں او بعض میں اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ ہم سب خلّاقِ عالم کے روبرو، اسکی قدرت کاملہ کے سامنے بالکل بچّوں کی مانند ہیں ،

بچپن کی ایسی سچّی اور صحیح تصویر پر "ماہِ نو" کے س اور کہیں مشکل سے مل سکیں گی کہ وہ اُس فرشتہ صفت معصوم ہستی کے قلم سے نکلی ہیں جو زندگی کی شام میں زندگی کی صبح کا منظر دیکھ رہی ہے اور جس کے سینے میں ایک ایسا دل ہے جو بچّے کی طرح دنیوی علائق سے پاک

حامد اللہ افسر

مفتی اسٹریٹ شہر میرٹھ
۹ ستمبر ۱۹۲۳ء

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گھر

میں یکّہ و تنہا کھیت کی بٹیا پر ٹہل رہا تھا اور یہ وہ وقت تھا کہ آفتاب اپنے بچے کھچے طلائی زیور کو ایک بخیل کی طرح چھپا رہا تھا،
دِن کی روشنی تاریکی کی گہرائیوں میں ڈوب رہی تھی اور برہنہ زمین پر جس کی فصل کاٹ لی گئی تھی، اک خاموشی طاری تھی،
ناگاہ اک بچّے کی تیز اور باریک آواز بلند ہوئی، وہ تاریکی میں خاموشی سے گزرا اور شام کے سکوت میں اپنی

شیریں آواز کا اثر چھوڑ گیا ،

اِس بنجر زمین کے سرے پر، ایکھ والے کھیت کے اُس طرف، کیلے اور چھالیہ کے پتلے اور بلند پودوں میں ناریل اور کھرنی کے گھنے اور سبز درختوں کے سایہ میں چھپا ہوا اُس کا دیہاتی گھر تھا ،

میں اپنے راستے پر تھوڑی دیر کے لئے تاروں کی چھاؤں میں ٹھٹھر گیا، میرے سامنے تیرہ و تار زمین پھیلی ہوئی تھی، جس پر ہر طرف بے شمار گہواروں اور مسہریوں سے آراستہ کئے ہوئے مکانات تھے ، ماؤں کے دل تھے ، شام کے چراغ تھے، اور چھوٹے چھوٹے بچے تھے جو اُس خوشی سے مسرور تھے، جس کی قیمت کے مقابلہ میں تمام دُنیا ہیچ ہے ،

مطلع

تم جانتے بھی ہو کہ بچّے کی آنکھوں سے کھلاریاں
کرنے والی نیند کہاں سے آتی ہے ؟
لوگوں کا بیان ہے کہ پرستان میں گنجان درختوں
کے سایہ میں چھپا ہوا ایک گاؤں ہے جس پر کرم شتاب
اپنی ہلکی ہلکی چمک سے ضو فگن ہے ، وہاں حُسن سحر
طراز کا ایک پودا ہے ، اس پودے میں دو شرمیلی
کلیاں لگ رہی ہیں ، بس یہی وہ جگہ ہے ، جہاں
سے نیند بچّے کی آنکھوں کو بوسہ دینے آتی ہے ،
تمہیں معلوم بھی ہے کہ بچّے کے لبوں پر لہریں لینے والا

تبسّم کہاں پیدا ہوا تھا؟

لوگ کہتے ہیں کہ نئے چاند کی ایک سُنہری شعاع، خزاں کے موسم میں بادل کے ایک ٹکڑے کے کنارے سے کھیلنے لگی اور اسی چھیڑ چھاڑ سے شبنم میں دُھلی ہوئی صبح کے خواب میں، تبسّم کا پہلی مرتبہ ظہور ہوا اور یہی وہ تبسّم ہے جو ایک سوتے ہوئے بچّے کی آنکھوں پر لہرایا کرتا ہے،

تمہیں خبر بھی ہے کہ بچّے کے اعضا میں جھلکنے والی پیاری پیاری نزاکت آمیز شگفتگی کہاں چھپی ہوئی تھی؟

جب ماں ایک نو عمر کنواری لڑکی تھی تو محبّت کے راز کی خاموش اور ناز آفریں کیفیات اس کے دل و جگر پر قبضہ کئے ہوئے تھیں، بس یہی وہ کیفیات ہیں جو اَب حُسن اور نزاکت آمیز شگفتگی بن کر بچّے کے اعضا میں جھلک رہی ہیں،

چترائی[1]

اگر بچّہ خواہش کرتا تو وہ ذراسی دیر میں آسمانوں کی بلندیوں تک پہنچ گیا ہوتا،
لیکن یہ بات بے نتیجہ نہیں ہے کہ وہ ہم سے جدا نہیں ہوتا، وہ ماں کی گود میں آرام کرنے کا خواہشمند ہے، اور اس کا نظروں سے اوجھل ہوجانا بچّہ سے برداشت نہیں ہوتا،
بچّہ بہت سے پُرمغز الفاظ کی معنی خیزیوں سے واقف ہے اگرچہ دُنیا میں بہت ہی کم لوگ ایسے نکل سکینگے

[1] اس نظم کا بنگالی عنوان میں نے جوں کا توں قائم رکھا ہے کہ یہ لفظ اُردو میں استعمال ہوتا ہے،

جو اِن الفاظ کو سمجھ لیں،

پھر یہ بھی کچھ بے حاصل نہیں ہے کہ وہ کبھی بولنا نہیں چاہتا، جو کچھ وہ سیکھنا چاہتا ہے وہ ماں کے لبوں سے نکلے ہوئے ماں ہی کے الفاظ ہیں اور یہی بات ہے جس نے اُسے ایسا بھولا بنا دیا ہے،

بچّے کے پاس طلا ولآلی کا ایک انبار تھا اور اس پر بھی وہ دُنیا میں تہی دست آیا ہے،

لیکن یہ بھی کسی طرح بیکار نہ تھا کہ ایک ایسے بھیس میں آیا ہے، یہ پیارا اور ننھّا سا بھکاری اس لئے بے بسی اور ناچاری کی نقاب ڈالے ہوئے ہے کہ وہ ماں کے خزینۂ محبّت سے کچھ بھیک مانگے،

چاند کی چھوٹی سی سرزمین میں بچّہ ہر ایک بندش سے آزاد تھا، لیکن یہ بھی بے سود نہیں ہے کہ اس نے آزادی کو چھوڑ دیا،

وہ جانتا ہے کہ ماں کے دِل والے محدود گوشہ میں غیر منتہی مسّرت کے لئے کافی جگہ ہے اور اس کی پیاری گود میں گرفتار ہو کر دبوچا جانا آزادی سے بدرجہا پُر لطف ہے،

بچّہ رونے سے مطلقاً واقف نہ تھا کیونکہ وہ کامل
امن و سکون کی سرزمین میں رہتا تھا،
لیکن یہ بھی کچھ بے لطف نہ تھا کہ اُس نے آنسو
بہانے کو ترجیح دی، اگرچہ وہ اپنے پیارے لبوں کی مسکراہٹ
سے ماں کا محبّت بھرا دل کھینچ لیتا ہے، مگر اس پر
بھی معمولی تکالیف پر، آنسوؤں کا پیام لانے والی
سسکیاں، ترس اور پیار کے جذبات کو یکساں
متحرک کر دیتی ہیں،

کھیل

پیارے بچّے! آخر اس تیری چھوٹی سی عبا کو کس نے
رنگ دیا ہے؟ تیرے خوشنما اعضاء کو سُرخ سُرخ کُرتے
میں کس نے چھپا رکھا ہے،
تو صبح کے وقت آنگن میں کھیلنے کے لئے ڈگمگاتے اور
لڑکھڑاتے ہوئے آیا ہے،
مگر، پیارے بچّے! یہ کس نے تیری عبا کو رنگین بنایا ہے؟
اے میرے عزیز ترین شگوفۂ حیات! یہ آخر کیا چیز ہے
جو تجھے ہنسائے دیتی ہے؟

ماں دہلیز پر کھڑی ہوئی تیری حرکتوں پر مسکرا رہی ہے ،
وہ اپنے ہاتھوں سے تالیاں بجاتی ہے اس کی چوڑیوں
سے جھنکار پیدا ہوتی ہے اور اس پر تو ایک چھوٹے سے
گلہ بان کی طرح اپنے ہاتھ والی بانس کی چھڑی سے
کھلاڑیاں کرتا ہے ،
مگر اے میرے عزیز ترین شگوفۂ حیات یہ کیا چیز
تجھے ہنسا رہی ہے ؟
اے ننھے بھکاری ! تو آخر ماں کے گلے میں باہیں
ڈال کر کیا چیز مانگ رہا ہے ، اے لوبھی جیو ! کیا میں
دُنیا کو ایک پھل کی طرح تیری گلاب کے پھُول ایسی ہتھیلی
پر رکھنے کے لئے توڑ لوں ،
اے چھوٹے سے بھکاری ! آخر تو کیا مانگ رہا ہے ؟
ہَوا ہنستی ہوئی تیرے پازیب کے گھنگروؤں کی جھنکار لئے
جاتی ہے ، عالمِ رویا کی پری شفق میں پرواز کرتی ہوئی
تیری طرف کو آتی ہے ،
تیرے ساتھ تمامی عالم تیری ماں کے دل میں موجود
ہے ،

ستارے جس کی موسیقیت سے محو ہیں، وہ تیری
کھڑکی پر بانس لئے کھڑا ہے، اور عالم رویا کی پری
شفق میں پرواز کرتی ہوئی تیری طرف کو آ رہی ہے،

دُزدِ خواب

مجھے بتاؤ

زچشمانِ طفلک کہ بُرد است خواب

بغل میں گھڑا لئے ماں قریب ہی کے گاؤں سے پانی لینے
چلی گئی، دوپہر ہوگئی تھی، بچّوں کے کھیل کا وقت ختم
ہوچکا تھا، تالاب کی بطیں خاموش تھیں،
گڈریے کا لڑکا برگد کے سایہ میں بے خبر پڑا سورہا
تھا،
سارس دلدل میں، آم کے درختوں کے جُھنڈ کے
قریب خاموش اور متفکر کھڑا تھا،

اسی اثنا میں نیند کا چُرانے والا آیا اور بچّے کی آنکھوں سے نیند اُڑا کر لے گیا،

جب ماں واپس آئی، اُس نے بچّے کو چاروں طرف کمرے میں پھرتے ہوئے پایا،

"مجھے بتاؤ، میرے بچّے کی آنکھوں سے نیند کون اُڑا کر لے گیا؟ کسی طرح اُس کا پتہ مل جائے تو پھر میں اُسے باندھ کر بٹھالوں"،

"اُس تاریک غار میں جاکر دیکھوں جہاں مختلف صورتوں کے پتّھروں میں سے ہوکر ایک چھوٹا سا چشمہ بہ رہا ہے"،

"مولسری کے درختوں کے جھُنڈ میں، اُس کے خواب آلود سایہ میں ڈھونڈوں جہاں ایک کونہ میں کبوتر غوں غوں کر رہے ہیں اور تاروں بھری رات میں پریوں کے پازیب کی جھنکار سُنی جاتی ہے"،

بانس کے جنگل میں، شام کے وقت جب ہر طرف خاموشی ہوگی اور (ہَوا کے لمبے سانسوں کی) سائیں سائیں آوازیں آرہی ہونگی، میں جاکر اِدھر اُدھر سے جھانکوں گی،

یہاں جگنو اپنے شعلہ صفت جمال کی دولت لُٹا رہے ہوں گے، میں جس کو دیکھوں گی اُسی سے پوچھوں گی کہ مجھے نیند کے چور کا گھر بتا دو"

"زچشمانِ طفلک کہ بُرد است خواب؟"

"اگر کہیں وہ مجھے مل جائے تو پھر خوب ہی دل کی بھڑاس نکالوں، میں اس کے گھر پر دھاوا کروں گی، جہاں اُس نے چُرائی ہوئی نیند کا ذخیرہ جمع کر رکھا ہے، میں اس ذخیرہ پر قبضہ کر کے اپنے گھر لے آؤں گی، میں اُس کے دونوں بازو مضبوط باندھ لوں گی، اُسے دریا کے کنارے ناگر موتھے اور کنول کے پودوں میں مچھلی کا شکار کھیلنے کے لئے بٹھا دوں گی،

"جب شام ہو جائے گی اور گاؤں کے بچّے اپنی ماؤں کی گود میں بیٹھیں گے تب مُرغانِ شب سرود از راہ تمسخر اُس کے کانوں میں نغمہ زن ہوں گے کہ

"نیند اب کس کی چُرائے گا بھلا اے دُزدِ خواب!"

داستانِ حیات

بچے نے ماں سے پوچھا، "مجھے یہ بتادو کہ میں کہاں سے آیا ہوں، تم مجھے کہاں سے لائی ہو"؟

ماں نے اپنے محبّت بھرے سینے سے بچّے کو چمٹا کر مُسکراتے ہوئے جواب دیا، "پیارے بچے! تو میرے دل میں میرے دل کی آرزو بن کر چھپا ہوا تھا، تو میری کم سنی میں میری گڑیوں کے اندر موجود تھا، اور جب ہر روز صبح کو میں مٹّی سے دیوتا کی مورتی بناتی تھی، تب میں تجھی کو بناتی تھی اور پھر تجھی کو مٹا دیتی تھی"۔

"تو ہمارے خاندانی دیوتا کی مورتی میں جلوہ افروز تھا

جب میں اس کی پرستش کرتی تھی تو تیری ہی پرستش کرتی تھی۔"

"میری تمام آرزوؤں میں، میرے جذبات عشق و محبّت میں، میری زندگی (کی روح) میں، یہاں تک کہ میری ماں کی زندگی میں تو موجود رہا ہے۔"

"تو نے اُس غیر فانی آسمانی طاقت کی گود میں پرورش پائی ہے جو ہمارے گھر پر حکمراں ہے۔"

"جب کنوارپن میں میرے دل کی کلی رفتہ رفتہ کِھل رہی تھی، تو اس کلی کی مہک بن کر اس کے اِرد گِرد موجود رہتا تھا۔"

"شباب کے زمانے میں شفقِ سحر کے مانند، تیری نازکی اور پاکیزگی میرے اعضاء میں جھلک رہی تھی۔"

"فطرت کے شگوفۂ اوّلین! نورِ سحر کے ہمزاد! تو دُنیا کی زندگی کے چشمہ پر تیرتا رہا اور آخرکار میرے دل پر لنگر انداز ہوا۔"

جب میں تیری طرف دیکھتی ہوں مجھ پر اسرارِ معنی خیز اور رمزہائے گوناگوں کا ہجوم ہو جاتا ہے، تو کہ تمام

دُنیا کے لئے تھا (آخرکار) میرا ہوگیا"
میں تجھے اِس لئے سینہ سے چمٹائے لیتی ہوں
کہ کہیں تو میرے ہاتھ سے جاتا نہ رہے، خدا جانے
وہ کیا جادو تھا جس نے خزینہ عالم کو میرے کمزور
اور نازک ہاتھوں میں دے دیا،

بچّہ کی دُنیا

میں چاہتا ہوں کہ اپنے بچّہ کی مخصوص دُنیا کے پُر امن و سکون
گوشہ میں تھوڑی سی جگہ حاصل کرلوں ،

مجھے معلوم ہے کہ اس دُنیا میں تارے ہیں جو اُس سے
باتیں کرتے ہیں اور ایک آسمان ہے جو اپنے الّڑھ بادلوں
اور خوش رنگ دھنک سے اس کو لبھانے اور خوش کرنے
کے لئے اس کے چہرے کی طرف جُھک رہا ہے ،

میں چاہتا ہوں کہ کسی طرح میں اُس راستہ پر سفر کروں
جو خاص بچّہ کے دل میں کو ہو کر گزرتا ہے اور بہت دور
تک چلا گیا ہے ،

جہاں پیامبر بلا ضرورت اُن سلطنتوں کے درمیان پیام
لاتے اور لیجاتے ہیں جن کے بادشاہ تاریخ کے صفحات کو
زینت نہیں بخشتے،
جہاں خرد اپنے مسلّمات کے پتنگ بنا کر اُڑاتی ہے اور سچائی
واقعیت اور حقیقت کو اپنی بندشوں سے آزاد کردیتی
ہے،

کیوں؟

میرے بچے! میں جب رنگین کھلونے تیرے لئے لاتی ہوں
تو مجھے بادلوں پہ اور پانی پہ خوشنما رنگوں کی نمائش کا سبب
معلوم ہو جاتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ پھول
یہ رنگ برنگ کا لباس کیوں زیب تن کئے ہوئے ہیں،
میرے بچے! (یہ سب مجھے اُس وقت معلوم ہوتا ہے) جب
میں رنگین کھلونے تیرے کھیلنے کے لئے لاتی ہوں،
جب میں تجھے رقص میں لانے کے لئے گاتی ہوں، تب
مجھے معلوم ہوتا ہے کہ درخت کے پتّوں میں موسیقیت
کس لئے بھری ہوئی ہے؟ اور دریا کی موجیں ہم آواز ہوکر

ہمہ تن گوش زمین کے لئے کیوں نغمہ پیرا ہیں ؟
(یہ سب مجھے اس وقت معلوم ہوتا ہے) جب میں
تجھے رقص میں لانے کے لئے گاتی ہوں ،
جب میں تیرے حریص ہاتوں تک مٹھائی لاتی ہوں
تب مجھے معلوم ہوتا ہے کہ پھول کے پیالے میں شہد
کیوں ہے اور پھلوں میں چپکے چپکے رس کیوں بھرا گیا
ہے ، ـــــ (یہ سب مجھے اس وقت معلوم ہوتا ہے)
جب میں تیرے حریص ہاتھوں تک مٹھائی لاتی ہوں ،
میرے پیارے بچّے ! جب میں تیرے نازک لبوں پر مسکراہٹ
پیدا کرنے کے لئے تجھے پیار کرتی ہوں ، مجھے اُس وقت معلوم
ہوتا ہے کہ صبح کی روشنی میں کیسی بے انتہا مسرّت کا ذخیرہ
موجود ہے اور موسمِ بہار کی ٹھنڈی ہوا میرے جسم میں کیسی
تازگی پیدا کرتی ہے ، ـــــ (یہ سب مجھے اس وقت معلوم
ہوتا ہے) جب میں تیرے نازک لبوں پر مسکراہٹ پیدا
کرنے کے لئے بوسہ دیتی ہوں ،

بہتان

میرے بچّے! تیری آنکھوں میں آنسو کیوں جھلک رہے ہیں؟
یہ لوگ کیا غضب کرتے ہیں کہ ہمیشہ تجھے جھڑکیاں دیتے رہتے ہیں، تو نے لکھتے ہوئے اپنے مُنہ اور اُنگلیوں پر دھبّے لگا لئے ہیں، شاید اسی لئے سب تجھے میلا اور گندہ بتاتے ہیں،
کیا لوگ چاند کو بھی اس لئے میلا اور گندہ کہنے کی جرأت کرسکیں گے کہ اُس نے اپنے مُنہ پر روشنائی کے دھبّے لگا لئے ہیں؟
میرے بچّے! ذرا ذرا سی بات کے لئے لوگ تجھ پر

الزام لگاتے ہیں اور ہر وقت بلا وجہ تجھ پر نکتہ چینی
کے لئے تیار ہیں،

تو نے کھیلتے ہوئے اپنے کپڑے پھاڑ لئے۔ شاید اسی
لئے یہ سب تجھے بے ڈھنگا بتاتے ہیں،

اگر یہ سچ ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ
موسم بہار کی اُس صبح کو کیا کہیں گے جو اپنے بادلوں کو
چیر پھاڑ کر تبسم کناں جلوہ افروز ہے،

میرے بچے! اس کی پروا نکر کہ لوگ تجھے کیا کہتے ہیں؟
ان سب نے تیرے جرموں کی ایک لمبی فہرست بنا رکھی ہے،

سب جانتے ہیں کہ تو میٹھی چیزیں پسند کرتا ہے۔ شاید
اسی لئے لوگ تجھے حریص اور لالچی بتاتے ہیں،

پھر خدا جانے وہ ہمیں، کہ تجھے پیار کرتے ہیں کس نام
سے یاد کریں گے،

انصاف

تم چاہے کچھ ہی کیوں نہ کہو، مجھے اپنے بچّے کی کمزوریاں معلوم ہیں، میں اُس سے اس لئے محبّت نہیں کرتی کہ وہ نیک اور صالح ہے بلکہ اس لئے کہ وہ میرا بچّہ ہے،

تمہیں کیا خبر ہے کہ اس کی نیکیوں اور بُرائیوں کا مقابلہ کرتے وقت وہ کس قدر پیارا معلوم ہونے لگتا ہے،

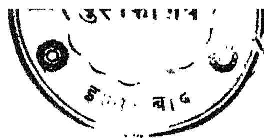
جب میں اُسے سزا دیتی ہوں تو وہ مجھے میرے جسم و جان کا سب سے زیادہ عزیز ٹکڑا معلوم ہوتا ہے،

جب میں اُسے رُلاتی ہوں تو میرا دل اُس کے ساتھ روتا ہے، صرف مجھے ہی اس پر الزام لگانے اور اُسے سزا دینے کا حق حاصل ہے، کیونکہ وہی تنبیہ و تادیب کرسکتا ہے جو محبّت کرے،

کِھلونے

بچّے ! تو صبح کے وقت خاک پر بیٹھا ہوا درخت کی
ٹہنی سے کیسا خوش خوش کھیل رہا ہے ،
تیرے اِس ٹوٹی ہوئی ٹہنی سے کھیلنے پر مجھے ہنسی
آتی ہے ،
میں حساب میں مشغول ہوں، ہندسے جوڑ رہا ہوں،
شاید تو میری طرف تکتے ہوئے سوچ رہا ہے، "یہ
وقت خراب کرنے کے لئے کیسا بیہودہ کھیل ہے"
مجھے اب بیش قیمت کِھلونوں کی تلاش ہے، میں
چاندی اور سونے کے ڈھیر اکٹھے کرنے میں مصروف ہوں،

جو چیز تیرے ہاتھ لگتی ہے تو اُسے اپنے کھیل
کا ذریعہ بنا لیتا ہے، میں اپنا وقت اور اپنی قوّت ایسی
چیزوں کے لئے صرف کرتا ہوں جو کبھی حاصل نہیں ہوتیں،
میں اپنی کمزور ڈونگی میں خواہشوں کے سمندر
کو پار کرنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن مجھے یہ
خیال نہیں ہے کہ میں بھی ایک کھیل کھیل رہا ہوں،



رصّاد

میں کہہ رہا تھا کہ جب شام کے وقت گول گول چمکتا ہوا چاند کدم کے پیڑ کی ٹہنیوں میں اُلجھ جاتا ہے تو اُسے کوئی پکڑ کیوں نہیں لیتا،

لیکن بھائی ہنس پڑے اور بولے "بچے! تو کیسا بیوقوف ہے، چاند تو ہم سے بہت دور ہے، کوئی اُسے کیونکر پکڑ سکتا ہے"

میں نے کہا "بھائی! تم بھی عجیب باتیں کرتے ہو، جب امّاں کھڑکی سے جھانکتی ہیں اور ہمیں کھیلتے ہوئے دیکھ کر مسکراتی ہیں تو کیا تم یوں کہو گے کہ وہ بہت دور ہیں؟

پھر بھائی نے کہا" تجھ میں ذرا سمجھ نہیں، بھلا اتنا بڑا جال کہاں سے آئے گا جس میں چاند کو پکڑ لیں"

میں بولا" ہاتھ ہی سے کیوں نہیں پکڑ لیتے"

بھائی نے ہنس کر جواب دیا" عقل کے دشمن! جب چاند قریب آئے گا تب تجھے معلوم ہوگا کہ وہ کتنا بڑا ہے"

میں نے کہا" بھائی! تمہارے مدرسہ میں کیسی فضول باتیں پڑھائی جاتی ہیں، جب اماں ہمیں پیار کرنے کے لئے منہ جھکاتی ہیں تو کیا ان کا منہ بہت بڑا ہو جاتا ہے؟"

لیکن بھائی نے اس پر بھی یہی کہا کہ" تو ان سمجھ بچہ ہے"

بادل اور موجیں

امّاں! بادل کے رہنے والے مجھ سے کہہ رہے ہیں،
"ہم صبح سے شام تک کھیلتے ہوئے پھرتے ہیں، ہم سنہری صبح کے ساتھ کھیلتے ہیں، ہم روپہلی صبح کے ساتھ کھیلتے ہیں"
میں کہتا ہوں "میں وہاں تمہارے پاس کیونکر آؤں"
وہ جواب دیتے ہیں، "زمین کے سرے پر آجاؤ، آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا لینا، پھر تمہیں بادلوں پر اُٹھالیں گے،
میں نے کہا، "میری امّاں گھر بیٹھی ہوئی میرا انتظار کر رہی ہیں، میں انہیں چھوڑ کر کیسے آجاؤں"
اِس پر وہ ہنس کر چلے گئے،

لیکن امّاں! میں ایک اِس سے بھی اچھا کھیل جانتا ہوں
میں تو بادل بنوں گا اور تم چاند بن جانا،
میں تمہیں دونوں ہاتوں سے چمٹ جاؤں گا، اور ہمارے
گھر کی سب سے اونچی چوٹی نیلا نیلا آسمان ہو گی،
سمندر کی موجیں مجھ سے کہتی ہیں۔
"ہم صبح سے شام تک گاتے ہیں، ہم برابر آگے بڑھتے
جاتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ ہم کہاں سے گزر رہے ہیں"
میں پوچھتا "لیکن میں کیونکر تم سے آکر مل جاؤں"
وہ جواب دیتے ہیں "سمندر کے کنارے پر آجاؤ، وہاں اپنی
آنکھیں بند کر کے کھڑے ہو جانا، پھر تمہیں موجوں پر لے
جائیں گے"

میں نے کہا "میری اماں شام کے وقت مجھے گھر
سے باہر نہیں جانے دیتیں، میں اُنہیں چھوڑ کر کیسے
آجاؤں"

اس پر وہ ہنستی ہیں، ناچتی ہیں اور چلی جاتی ہیں"
لیکن میں ایک اس سے بھی اچھا کھیل جانتا ہوں،
میں تو دریا کی لہریں بن جاؤں گا اور تم اس کا کنارہ،

میں آگے بہت دور تک جاکر، ہنستے ہوئے تمہاری
گود میں آ پڑوں گا، اور دُنیا میں کوئی بھی نہ جانے گا
کہ ہم دونوں کہاں ہیں،

چمپا کا پھول

"جانے میں یوں ہی ہنسی ہنسی میں چمپا کا پھول بن گیا
اور اس درخت پر سب سے اوپر کی شاخ میں کھل رہا ہوں
اور ہوا کے جھوکوں میں خوشی خوشی ہل رہا ہوں اور
نئی نئی کونپلوں پر ناچ رہا ہوں، تو امّاں! کیا تم مجھے
پہچان جاؤ گی؟"

تم کہو گی "بچے! تو کہاں ہے؟ اور میں دل ہی دل میں
ہنسوں گا اور بالکل خاموش رہوں گا"
تو اپنی پنکھڑیاں کھول کر تمہیں کام کرتے ہوئے دیکھونگا

جب نہانے کے بعد بھیگے ہوئے بال کندھوں پر ڈالے ہوئے
تم چمپا کے درخت کے سایہ میں کو گزر کر چھوٹے سے آنگن
میں جاؤ گی جہاں تم پوجا کیا کرتی ہو، تو تمہیں پھول کی خوشبو
آئے گی مگر تم یہ نہ جانو گی کہ یہ میری خوشبو ہے،
جب دوپہر کے کھانے کے بعد تم کھڑکی میں بیٹھ کر رامائن
پڑھو گی اور درخت کا سایہ تمہارے بالوں اور تمہاری گود میں
گرے گا تو میں اپنا ننھا سا سایہ تمہاری کتاب کے صفحہ پر
ڈالوں گا اور ٹھیک اسی جگہ ڈالوں گا جہاں تم پڑھ رہی
ہو گی،
مگر تم یہ کیونکر جانو گی کہ یہ چھوٹا سا سایہ تمہارے پیارے
بچّہ کا ہے؟
جب شام کے وقت ہاتھ میں چراغ لیکر تم گائے کے تھان
پر جاؤ گی، میں یکایک زمین پر گر پڑوں گا اور ایک بار پھر
وہی تمہارا پیارا بچّہ بن جاؤں گا، اور تمہاری خوشامد
کروں گا کہ مجھے ایک کہانی سُنا دو،
تم کہو گی "شریر بچّے! آج تو کہاں رہا؟"
میں کہوں گا "اماں! میں تو نہیں بتاتا"

پرستان

اگر لوگ کسی طرح معلوم کرلیں کہ میرے بادشاہ کا محل
کہاں ہے تو وہ ہوا میں غایب ہو جائے گا، دیواریں
سفید سفید چاندی کی ہیں اور چھت چمکتے ہوئے سونے کی،
ملکہ جس محل میں رہتی ہے اُس کے سات صحن ہیں اور
وہ ایک لعل گلے میں پہن رہی ہے جس کی قیمت سات بادشاہتو
کی تمام دولت ہے۔"

لیکن امّاں! میں تمہیں چپکے سے بتائے دیتا ہوں کہ میرے
بادشاہ کا محل کہاں ہے؟

یہ وہاں۔ تمنزلے کے کنارے پر ہے جہاں تُلسی کے
پودے کا گملہ رکھا ہوا ہے۔"

شہزادی بہت دور، سات سمندروں کے کنارے
سو رہی ہے، میرے سوا دُنیا بھر میں کوئی اُسے
نہیں دیکھ سکتا،
اس کے ہاتوں میں چوڑیاں ہیں اور کانوں میں
موتی، اُس کے بال اتنے بڑے ہیں کہ زمین تک
لٹک رہے ہیں،
جب میں اُسے اپنی جادو کی چھڑی سے جگاؤں گا
اور جب وہ مُسکرائے گی تو اُس کے مُنہ سے جواہرات
جھڑیں گے،
لیکن امّاں! میں تمہیں چُپکے سے بتائے دیتا ہوں
کہ وہ وہاں تمنزلے کے کنارے پر ہے جہاں تُلسی کے
پودے کا گملہ رکھا ہے،
اشنان کے لئے دریا پر جاتے وقت تمنزلے کی
چھت پہ چلی جانا،
جہاں دونوں دیواروں کا سایہ بغلگیر ہوتا ہے، میں
تمہیں وہاں بیٹھا ہوا ملوں گا،
بس میری پھوسی میرے ساتھ وہاں جاسکتی ہے

کیونکہ صرف وہی جانتی ہے کہ کہانی والے نائی کا
گھر کہاں ہے ؟
لیکن امّاں ! میں تمھیں چپکے سے بتائے دیتا ہوں
کہ کہانی والا نائی کہاں رہتا ہے ،
وہیں رتمنزلے پر ، کونے میں ، جہاں تُلسی کے
پیڑ کا گملہ رکھا ہے ،

دور و دراز ملک

امّاں روشنی آسمان میں دھندلی ہوگئی، خبر نہیں اس وقت کیا بجا ہوگا، اب کھیل میں جی نہیں لگتا، اسی لئے میں تمہارے پاس آیا ہوں، آج یک شنبہ ہے، آج چھٹّی کا دن ہے، امّاں اب کام چھوڑ دو، یہاں کھڑکی کے پاس بیٹھ جاؤ اور مجھے بتاؤ کہ تپانتر کا جنگل کہاں ہے جس کا ذکر کہانی میں آیا ہے،

بوندیں پڑ رہی ہیں اور اِدھر سے اُدھر تک اندھیرا ہو رہا ہے، تیز اور خونخوار بجلی آسمان کو اپنے ناخنوں سے کھرچ رہی ہے، جب بادل گرجتے ہیں اور بجلی گڑگڑاتی ہے تو ڈر کر تم سے چمٹ جانا کیسا پیارا معلوم

ہوتا ہے،

اماں! یہ جنگل کہاں ہے؟ کس دریا کے کنارے پر ہے؟ کس پہاڑی کے نیچے ہے؟ کس بادشاہ کی سلطنت میں ہے؟

وہاں کھیتوں کے چاروں طرف جھاڑیاں نہیں ہیں اور نہ کوئی پگڈنڈیا ہے، جس پر سے گزر کر گاؤں کے رہنے والے اپنے گھر جائیں اور نہ کوئی عورت جنگل سے لکڑیاں چن کر بازار میں لاتی ہے، بس زرد زرد گھاس کہیں کہیں ریت کے وسیع میدانوں میں نظر آتی ہے، اور صرف ایک درخت ہے جس پر بڑی عقلمند چڑیوں کے ایک جوڑے کا گھونسلا ہے، وہیں تپانتر کا جنگل واقع ہے،

دیکھو! میں تصوّر کی آنکھ سے دیکھ سکتا ہوں کہ ایک ایسے ہی مینھ اور گھٹا کے دن بادشاہ کا جوان بیٹا ایک مشکی گھوڑے پر سوار شہزادی کی تلاش میں تنہا جنگل میں جا رہا ہے اور یہ شہزادی سمندر پار ایک دیو کے قلعہ میں نظر بند ہے،

جب مینھ کی بوچھاڑ آسمان سے گرتی ہے اور بجلی یکایک

درد کی تڑپ کی طرح چمک جاتی ہے، تو کیا شہزادے
کو اپنی بدنصیب ماں یاد آتی ہے جس کی اب بادشاہ
بات نہیں پوچھتا اور جو گائے کے تھان میں جھاڑو دیتے
ہوئے اپنے نہ رُکنے والے آنسو پونچھتی جاتی ہے،
وہ تو کہانی والے تپانتر کے جنگل میں تنہا گھوڑے پر سوار جا رہا ہے
امّاں! دیکھو تو سہی دن ختم ہونے سے پہلے ہی اچھا خاصا اندھیرا
ہوگیا اور سامنے والی گاؤں کی سڑک پر ایک بھی راہگیر نہیں ہے،
گڈریے کا لڑکا چراگاہ سے آج سویرے ہی چلا گیا اور لوگ
کھیتوں سے اُٹھ کر اپنی اپنی جھونپڑیوں میں آبیٹھے ہیں اور گرجنے
اور غُل مچانے والے بادلوں کو دیکھ رہے ہیں،
امّاں! میں نے اپنی ساری کتابیں الماری میں رکھ دی
ہیں اب مجھے سبق یاد کرنے کو نہ کہنا،
جب میں ابّا کی طرح بڑا ہو جاؤں گا تو جو کچھ مجھے
سیکھنا چاہیئے سب سیکھ جاؤں گا،
لیکن امّاں! آج تو تم مجھے یہ بتا دو کہ کہانی والے
تپانتر کا جنگل کہاں ہے؟

برسات کا دن

بادل سراسیمہ اور پریشان حال کالے کالے جنگل کے
کنارے پر تیزی سے جمع ہو رہے ہیں ،
بچّے ! اس وقت باہر نہ جانا ،
جھیل کے کنارے کھجور کے درخت قطار باندھے
ہوئے اپنے سروں کو تاریک آسمان سے رگڑ رہے
ہیں ، کوّے اپنے بھیگے ہوئے پروں کو نیچے ڈالے
ہوئے املی کی شاخوں پر خاموش بیٹھے ہیں اور دریا
کے مشرقی کنارے پر ظلمت و تاریکی بڑھ رہی ہے ،
ہماری گائے گھیرے میں کھڑی ہوئی چیخ رہی ہے ،
بچّے ! ذرا ٹھہر جا کہ میں اُسے تھان پر لے آؤں ،

لوگ پانی سے بھرے ہوئے کھیتوں پر مچھلیاں پکڑنے کے لئے اکٹھے ہو گئے ہیں، یہ مچھلیاں تالابوں کے کناروں سے پانی نکل جانے کی وجہ سے نکل پڑی ہیں،

مینھ کا پانی تنگ گلیوں کی نالیوں میں کو ایسی آواز سے بہ رہا ہے جیسے کوئی بچہ اپنی ماں کے پاس سے اُسے دق کرنے کو ہنستے ہوئے بھاگ گیا ہو،

سن! کوئی کشتی بان کو گھاٹ پر سے آواز دے رہا ہے، بچے! دن کی روشنی دھیمی ہو گئی ہے اور گھاٹ سے اب کوئی پار نہیں جا سکتا،

آسمان دیوانہ وار چلنے والی دُھواں دھار بارش کے گھوڑے پر سوار گشت کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے، دریا کا پانی بے تابانہ نعرہ زن ہے، عورتیں سویرے ہی گنگا سے گگریاں بھر بھر کر اپنے گھروں کو جا رہی ہیں،

شام کے چراغ تیار کر لینے چاہئیں،

بچے! اس وقت باہر نہ جا،

بازار کی سڑک سنسان پڑی ہے، دریا کو جانے والا
راستہ پھسلواں ہے، بانس کے درختوں کی شاخوں
میں ہوا سنسناتی ہوئی نکلنا چاہتی ہے مگر جال میں
پھنسے ہوئے ایک جنگلی جانور کی طرح بے بس ہے،

کاغذ کی ناؤ

میں روز کاغذ کی کشتیاں تیزی سے بہنے والے دریا
میں ایک ایک کر کے چھوڑ دیتا ہوں،
میں ان پر بڑے بڑے کالے حرفوں میں اپنا نام اور
اپنے گاؤں کا نام لکھ دیتا ہوں،
کہیں بہت دور کسی ملک میں جب کوئی ان کشتیوں
کو پانی سے نکالے گا تو وہ یہ جان جائے گا کہ میں
کون ہوں،
میں اپنی چھوٹی چھوٹی کشتیوں کو ہارسنگار کے پھولوں
سے بھر دیتا ہوں، یہ سحر رنگ کلیاں شام تک حفاظت
سے

کے ساتھ کہیں نہ کہیں پہنچ جائیں گی،

اپنی کاغذ کی کشتیاں دریا میں چھوڑ کر میں جب آسمان کی طرف دیکھتا ہوں تو مجھے بادل ہوا سے بھرے ہوئے بادبان لئے ہوئے نظر آتے ہیں،

مجھے خبر نہیں کہ ایسا کون میرے ساتھ کھیلنے والا ہے جو ان بادبانوں کو میری کاغذی ناؤ کے ساتھ ہوا پر چھوڑ دیتا ہے،

جب رات آتی ہے اور میں سونے کے لئے لیٹتا ہوں تو میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میری کاغذ کی کشتیاں تاروں کی چھاؤں میں بہتی چلی جا رہی ہیں،

نیند کی دیویاں اُن میں بیٹھی ہوئی ہیں اور ان کے ساتھ خوابوں سے بھری ہوئی ٹوکریاں ہیں،

کشتی بان

مادھو کی ناؤ راج گنج کے گھاٹ پر لنگر انداز ہے،
اُس میں بہت سا سَن بالکل بیکار بھرا ہوا ہے،
اور وہاں اتنی دیر سے فضول کھڑی ہے،
اگر مجھے وہ اپنی کشتی مستعار دیدے تو میں اس پر
بہت سے بادبان لگادوں، میں اُسے کبھی ان فضول
اور لغو بازاروں تک نہ لیجاؤں،
میں پرستان کے سات سمندروں اور تیرہ دریاؤں میں
سفر کروں گا،
لیکن امّاں تم میرے لئے ایک کونے میں بیٹھ کر نہ
رونا، میں کہانی کا شہزادہ بن جاؤں گا اور اپنی کشتی
جس چیز سے چاہے بھرلوں گا،
میں اپنے دوست آشو کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا

اور ہم خوشی خوشی سات سمندروں اور تیرہ دریاؤں
میں سفر کریں گے، ہم صبح ہی صبح روانہ ہوں گے،
جب تم تالاب پر نہا رہی ہو گی، ہم ایک اجنبی
بادشاہ کی سرزمین میں ہوں گے،
ہم پتانتر کے پایاب سے گزریں گے اور پتانتر کا
جنگل اپنے پیچھے چھوڑ دیں گے،
جب ہم واپس آئیں گے تو شام کا وقت ہوگا اور
میں تمہیں اپنے سفر کا سارا قصہ سناؤں گا،
میں پرستان کے سات سمندر اور تیرہ دریا پار کرونگا،

اُس پار

میں دریا کے اُس پار جانے کے لئے بے چین ہوں،
جہاں کشتیاں بانس کے کھونٹوں سے بندھی ہوئی ایک
قطار میں کھڑی ہیں،
جہاں لوگ اپنے کاندھوں پر ہل لئے ہوئے صبح ہی
صبح کشتی میں بیٹھ کر بہت دور اپنے کھیت نلانے جاتے ہیں،
جہاں چرواہے گائے بھینسوں کو دریا کے پار گھاس
چرانے لے جاتے ہیں،
جہاں سے یہ سب شام کے وقت اپنے اپنے گھروں
کو واپس آجاتے ہیں اور گیدڑوں کو جزیرہ کی جھاڑیوں
میں دہاڑتا ہوا چھوڑ دیتے ہیں،
اماں! اگر تم کہو گی تو میں بڑا ہو کر اِس

دریا کا کشتی بان بنوں گا،

لوگ کہتے ہیں دریا کے اُس پار عجیب عجیب تالاب ہیں، جہاں جنگلی بطوں کے جھنڈ کے جھنڈ برسات کے موسم میں آتے ہیں، کناروں پر گھنی جھاڑیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور یہاں مرغابیاں انڈے دیتی ہیں،

جہاں پھیلی ہوئی دُم والے چہے اپنے چھوٹے چھوٹے پنجوں کے نشان پانی میں بھیگی ہوئی صاف اور نرم مٹّی پر چھوڑتے ہیں،

جہاں شام کے وقت سفید سفید پھولوں سے لدے ہوئے خوبصورت پودے چاند کی کرنوں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں کہ ان کی سروں پر تیریں،

امّاں! اگر تم کہو، تو میں بڑا ہو کر اس دریا کا کشتی بان بنوں گا،

میں بار بار اُس پار جاؤں گا اور پھر اس پار آؤں گا اور دریا میں نہانے والے لڑکے اور لڑکیوں کو مجھ پر بڑا تعجّب ہوگا،

جب سورج سر پر آجائے گا، اور صبح دوپہر سے

بدل جائے گی۔ میں دوڑا ہوا تمہارے پاس آؤں گا اور
کہوں گا کہ "اماں مجھے بھوک لگ رہی ہے"

جب دن ختم ہوگا اور سایہ درختوں میں چھپ
جائے گا تب میں اندھیرے میں گھر واپس آؤں گا،

میں ابا کی طرح تمہیں چھوڑ کر کبھی کسی کام کے لئے
نہ جاؤں گا،

اماں! اگر تم کہو گی تو میں بڑا ہو کر اس دریا
کا کشتی بان بنوں گا،

درسگاہِ گل

جب بادل آسمان پر منڈلاتے ہیں اور جون کے مہینہ کی پھواریں پڑتی ہیں تو ہوا مشرق سے بانس کے جھنڈوں کو باجا بجاتی ہوئی گزرتی ہے،

اس وقت بہت سے پھول خدا جانے کہاں سے اکدم نکل آتے ہیں اور گھاس پر مستانہ خوشی میں جھومتے ہیں،

اماں! میں تو جانوں پھول زمین کے نیچے اپنے مدرسہ میں جاتے ہیں، وہ کواڑ بند کرکے اپنا سبق پڑھتے ہیں، اور اگر وہ کھیل کے وقت سے پہلے ہی کھیلنے کے لئے باہر جانا چاہتے ہیں تو ان کا ماسٹر

انہیں ایک کونہ میں کھڑا کر دیتا ہے،

برسات کے موسم میں ان کی چھٹّی ہوتی ہے، جنگل میں شاخیں ہلتی ہیں، پتّے مستانہ ہوا کے جھوکوں سے کھڑکھڑاتے ہیں، گرجنے والے بادل اپنے خوفناک بڑے بڑے ہاتوں سے تالیاں بجاتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے پھول سُرخ، سفید اور زرد لباس پہن کر باہر نکلتے ہیں،

امّاں! تم جانتی بھی ہو؟ ان کا گھر آسمان پر ہے جہاں تارے جگمگاتے ہیں، تم نے دیکھا ہوگا کہ پھول آسمان تک پہنچنے کے لئے کیسے بیتاب ہیں، تمھیں خبر بھی ہے کہ یہ سب اس قدر عجلت میں کیوں ہیں؟

میں جانتا ہوں کہ وہ کس کی طرف اس طرح ہاتھ پھیلا رہے ہیں: میری پیاری امّاں کی طرح ان کی بھی ایک امّاں ہیں،

سوداگر

امّاں! جنے تم تو یہیں گھر میں ہو اور میں دو
دور ملکوں میں سفر کر رہا ہوں اور میری کشتی گھاٹ
مال سے لدی ہوئی کھڑی ہے،

اب امّاں! مجھے بتاؤ کہ جب میں واپس آؤں
تو تمہارے لئے کیا لاؤں گا؟

امّاں! کیا تم بہت سا سونا چاہتی ہو؟

دیکھو! وہاں سنہری چشمے کے کنارے ہرے ہر
کھیت سنہری بالوں سے بھرے کھڑے ہیں اور جنگل ک
بٹیا پر درختوں کے سایہ میں چمپا کے سنہری پھول
زمین پر گرے پڑے ہیں میں ان سب کو تمہار
لئے ٹوکریوں میں بھر بھر کر لے آؤں گا،

امّاں! کیا تم بارش کے قطروں کی برابر بڑے بڑے
موتی لوگی؟
میں موتیوں کے جزیرہ پر جاؤں گا، وہاں صبح
کی ہلکی ہلکی روشنی میں پھولوں پر موتی کانپ رہے ہونگے
موتی گھاس پر نظر آتے ہیں اور سمندر کی بے چین
لہریں اُچھل اُچھل کر ریت پر موتی بکھیرتی ہیں،
میں بھائی کے لئے ایک پردار گھوڑا لاؤں گا جو
انہیں بادلوں کی دُنیا میں لے جائے گا،
ابّا کے لئے میں ایک جادو کا قلم لاؤں گا، یہ قلم
خود بخود ہی لکھے گا اور ابّا کو خبر بھی نہوگی،
امّاں تمہارے لئے میں وہی ڈبیہ اور جواہر لاؤں
جن کی قیمت سات بادشاہوں کی بادشاہت ہے،



جب گھنٹہ صبح کو دس بجاتا ہے اور میں قریب کی
گلی والے اسکول میں جاتا ہوں تو ہر روز مجھے پھیری
والا یہ کہتے ہوئے ملتا ہے "کانچ کی چوڑیاں لو!
چوڑیاں!"
اُسے کہیں جانے کے لئے دیر نہیں ہوتی، کوئی
گلی ایسی نہیں جس میں جانے کے لئے وہ مجبور ہو،
کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں اُسے جانا ضرور ہو، کوئی
وقت ایسا نہیں جب اُسے گھر واپس جانا لازمی ہو،
میرا جی چاہتا ہے کہ سلیٹ پھینک دوں اور پھیری والا بن جاؤں

اور سڑک پر بے فکری سے آواز لگاتا پھروں کانچ کی
چوڑیاں لو چوڑیاں لو،
جب شام کو چار بجے میں اسکول سے واپس آتا
ہوں تو میں دیکھتا ہوں کہ اُس گھر کے سامنے والے
باغیچہ میں بیٹھا ہوا مالی زمین کھودا کرتا ہے، وہ اپنی
کُھرپیا سے جو اس کا جی چاہتا ہے کیا کرتا ہے، وہ مٹی
میں اپنے کپڑے خراب کرلیتا ہے، اُسے کوئی کچھ نہیں کہتا
چاہے وہ دھوپ میں تپے یا پانی میں تر ہو جائے،
میرا جی چاہتا ہے کہ میں ایک مالی ہوتا اور باغ
میں بیٹھا ہوا زمین کھودا کرتا اور مجھے کوئی نہ روکتا،
جب اندھیرا ہو جاتا ہے اور امّاں مجھے سونے کے
لئے لٹاتی ہیں تو میں کھڑکی میں کو دیکھا کرتا ہوں کہ چوکیدار
اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر ٹہلتا ہے،
گلی سنسان ہوتی ہے اور اندھیرے میں گلی کی لالٹین
ایسے دیو کی طرح معلوم ہوتی ہے جس کے سر میں ایک
سُرخ آنکھ ہے،
چوکیدار لالٹین ہلاتا جاتا ہے، جب وہ ٹہلتا ہے تو اس کا

سایہ بھی اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہے، وہ رات بھر
نہیں سوتا،

میرا جی چاہتا ہے کہ میں ایک چوکیدار ہوتا اور لالٹین
لئے ہوئے رات بھر گلیوں میں ٹہلا کرتا،

دانشمند

امّاں ! تمہاری چھوٹی سی بچّی تو بہت ہی نادان اور بھولی
ہے ۔ اس کے نزدیک چراغ اور تاروں میں کچھ فرق نہیں ہے،
جب ہم کنکروں سے کھیلتے ہوئے کھانا پکاتے ہیں
تو وہ سمجھتی ہے کہ یہ واقعی کھانے کی چیز ہے اور کنکروں
کو مُنہ میں رکھنا چاہتی ہے ،
جب میں اس کے سامنے کتاب کھولتا ہوں اور اس سے
کہتا ہوں کہ الف ، بے ، پڑھ تو وہ ورق پھاڑ دیتی ہے
اور پھر خواہ مخواہ خوب خوش ہوتی ہے ، دیکھو تو سہی
یہ بھی کوئی سبق یاد کرنے کا طریقہ ہے ،
جب میں غصّہ میں بھر کر اپنا سر ہلاتا ہوں ، اسے

بُرا بھلا کہتا ہوں اور بتاتا ہوں کہ تو بہت شریر ہے
تو وہ ہنستی ہے اور کہتی ہے کہ یہ بڑے مذاق کی بات ہے،
سب جانتے ہیں کہ ابّا آج کل یہاں نہیں ہیں،
لیکن جب میں کھیل میں یوں ہی "ابّا" پکارتا ہوں تو وہ
گھبرا کر اپنے چاروں طرف دیکھنے لگتی ہے اور سمجھتی ہے
کہ ابّا یہیں ہیں،
جب ہمارا دھوبی گدھے پر کپڑے لاد کر لاتا ہے اور
میں اس گدھے کا کان پکڑ کر کھینچتا ہوں اور اُس سے کہتا
ہوں کہ میں ماسٹر ہوں تو وہ خواہ مخواہ کھلکاریاں مارتی
ہے اور مجھے "بھائی" کہہ کر پکارتی ہے،
اور سُنو! یہ چاند کو پکڑ لینا چاہتی ہے کیسی عجیب
لڑکی ہے، امّاں تمہاری یہ چھوٹی سی بچّی تو بہت ہی نادان
اور بھولی ہے،

بزرگِ خوردسال

میں چھوٹا سا ہوں اس لئے کہ میں ابھی بچّہ ہوں،
جب میں ابّا کی برابر ہوں گا تو اُس وقت بڑا ہو جاؤں گا
میرے ماسٹر صاحب آئیں گے اور کہیں گے "آج
بہت دیر ہوگئی ہے، اپنی سلیٹ اور کتابیں لے آؤ"
میں اُن سے کہوں گا "کیا تمھیں خبر نہیں کہ اب میں
ابّا کی برابر ہوگیا ہوں؟ اب میں نہ پڑھوں گا"
ماسٹر صاحب سوچیں گے اور کہیں گے "بیشک اگر
یہ چاہے تو پڑھنا چھوڑ سکتا ہے کہ اب یہ بڑا ہوگیا
ہے"

میں اچھے اچھے کپڑے پہن کر میلہ میں جاؤں گا
جہاں بہت بھیڑ ہو گی، چچا جھپٹ کر میرے پاس آئیں گے
اور کہیں گے "بچے! تو کھو یا جائیگا، آمیرے ساتھ چل"
میں جواب دوں گا، "چچا! تم دیکھتے نہیں ہو، اب
میں ابّا کی برابر ہو گیا ہوں، اب میں تنہا میلہ کو
جا سکتا ہوں"

امّاں ٹھیک اُس وقت نہا کر آئیں گی جب میں
ماما کو روپئے دے رہا ہوں گا کیونکہ میں جان جاؤں گا
کہ تالی سے بکس کس طرح کھولتے ہیں،

امّاں کہیں گی "شریر بچے! تو یہ کیا کر رہا ہے"
میں کہوں گا "امّاں! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اب میں
ابا کی برابر ہو گیا ہوں میں خود ماما کو روپئے
دے سکتا ہوں"

امّاں اپنے دل میں کہیں گی یہ جسے چاہے روپیہ
دے سکتا ہے کیونکہ اب یہ بڑا ہو گیا ہے،

اکتوبر کی تعطیل میں جب ابّا گھر آئیں گے اور یہ
سوچ کر کہ میں ابھی بچہ ہوں میرے لئے چھوٹا سا

جوتا اور ریشمی کوٹ لائیں گے، میں کہوں گا "ابا یہ دونوں چیزیں بھائی کو دیدو کیونکہ میں تو اب تمہاری برابر بڑا ہوگیا"

ابا سوچیں گے اور کہیں گے "یہ اپنے کپڑے خود ہی خرید سکتا ہے کیونکہ اب تو یہ بڑا ہوگیا"

سوال

امّاں میں صبح سے پڑھ رہا ہوں، اب کتاب بند کئے
دیتا ہوں، تم کہتی ہو ابھی تو بارہ ہی بجے ہیں، اچھّا
یہ بتاؤ کہ بارہ بجے کے وقت تم یہ کیوں نہیں سمجھ
لیتیں کہ تیسرا پہر ہے،

میں تو آسانی سے خیال کرسکتا ہوں کہ سورج چاول کے
کھیت کے اُس کنارے پر پہنچ گیا اور گاؤں کی مچھیرن
رات کے کھانے کے لئے تالاب کے کنارے ساگ پات توڑ
رہی ہے،

میں آنکھیں بند کرکے دیکھ سکتا ہوں کہ مدار کے پیڑ
کے نیچے اندھیرا بڑھتا جاتا ہے اور تالاب کا پانی چمکدار سیاہ
رنگ کا معلوم ہوتا ہے،

اگر رات کو بارہ بج سکتے ہیں تو بارہ بجے رات
کیوں نہیں ہوسکتی،

مصنّف

تم کہتی ہو کہ "ابّا نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور
برابر لکھتے رہتے ہیں" لیکن جو کچھ وہ لکھتے ہیں میری
تو سمجھ میں آتا نہیں،
وہ شام تمہیں خدا جانے کیا کیا پڑھ کر سُنا رہے
تھے، مگر تم نے اس کا کچھ مطلب بھی سمجھا؟
امّاں! دیکھو تم کیسی اچھّی اچھّی کہانیاں کہتی ہو خدا
جانے ابّا ایسی کہانیاں کیوں نہیں لکھ سکتے۔ کیا انہوں
نے اپنی امّاں سے کبھی دیوؤں اور پریوں اور شہزادیوں
کی کہانیاں نہیں سُنی ہیں؟ کیا وہ سب بھول گئے؟
اکثر جب انہیں نہانے کے لئے دیر ہو جاتی ہے تو

تمہیں بار بار جاکر بُلانا پڑتا ہے ،
تم منتظر بیٹھی رہتی ہو اور کھانا گرم رکھنے کی کوشش کرتی ہو ، مگر وہ لکھتے ہی جاتے ہیں اور (کھانا کھانے کے لئے آنا) بھول جاتے ہیں ،
صبح سے شام تک کتابیں لکھنا ابّا کا کھیل ہے اور وہ برابر کھیلتے رہتے ہیں ، مگر جب کبھی میں ابّا کے کمرے میں کھیلنے کے لئے جاتا ہوں تو تم وہاں آتی ہو اور کہتی ہو "تو کیسا شریر بچّہ ہے"!
جب میں ذرا شور کرتا ہوں تو تم کہتی ہو" دیکھتا نہیں! ابّا کام کر رہے ہیں"
خدا جانے ہر وقت لکھتے رہنے میں کیا مزا آتا ہے ،
جب میں ابّا کا قلم یا پنسل اُٹھاتا ہوں اور اُنکی کتاب پر لکھتا ہوں ، ا ، ب ، ت ، ث ، ج ، ح ، خ ، تو امّاں تم مجھ پہ ناراض کیوں ہوتی ہو ؟
جب ابّا لکھتے ہیں تو تم ایک لفظ بھی نہیں بولتیں ،
جب ابّا بہت بہت سے کاغذ خراب کرتے ہیں تب تو امّاں تم کچھ بھی نہیں کہتیں ، لیکن اگر میں ایک ذرا سا

کاغذ کشتی بنانے کے لئے لیتا ہوں تو تم کہتی ہو "بچے !
تو بہت ہی دق کرتا ہے "
ابّا جو کاغذ کے تختے کے تختے ان پر کالے نشان ڈالکر
خراب کر دیتے ہیں، وہ آخر کیا ہوتا ہے ؟

شریر ڈاکیہ

اچھی امّاں! تم فرش پر ایسی چُپ چُپ کیوں بیٹھی ہو؟
کھڑکی میں سے مینہ کی بوچھاڑ آ رہی ہے، تم سر سے پیر تک
بھیگ گئیں، مگر تم ذرا پروا نہیں کرتیں،
امّاں چار کا گجر بج رہا ہے، یہ بھائی کے اسکول
سے آنے کا وقت ہے،
آخر ایسی کیا بات ہے کہ آج تم چُپ چُپ ہو؟
کیا آج ابّا کے پاس سے خط نہیں آیا؟
میں نے دیکھا تھا کہ ڈاکیہ گاؤں میں سب کے گھر
خط لایا، صرف ابّا کے خط وہ اپنے پڑھنے کے لئے رکھ لیتا

ہے ، ڈاکیہ بڑا شریر ہے ،
لیکن اچھّی امّاں ! تم خطوں کے لئے اتنا فکر نہ کرو ،
کل برابر والے گاؤں میں بازار کا دن ہے ، تم ماما
سے کہدو وہ کاغذ اور قلم خرید لائے گی ،
میں خود ابّا کے سارے خط لکھ دوں گا ، دیکھ لینا
ان میں ایک بھی غلطی نہ ہو گی ،
میں الف سے لیکر کاف تک لکھ سکتا ہوں ،
مگر امّاں ! تم مسکرا کیوں رہی ہو ؟
ہاں ! تمہیں یقین نہیں آتا کہ میں ایسی اچھّی طرح لکھ
سکتا ہوں جیسے ابّا لکھتے ہیں ،
امّاں میں کاغذ پر پہلے اچھّی طرح لکیریں کھینچ لوں گا
اور سارے حرف بڑے بڑے اور بنا بنا کر لکھوں گا ،
جب میں لکھ چکوں گا تو کیا تمہارے نزدیک میں
ایسا بے وقوف ہوں کہ ابّا کی طرح ڈاکیہ کے بیگ
میں خط ڈالدوں گا ،
میں خط کو خود تمہارے پاس لاؤں گا ، تمہیں انتظار
نہ کرنے دوں گا ، ہر خط کو میں خود تمہارے ساتھ

بیٹھ کر پڑھوں گا ، میں خوب جانتا ہوں کہ ڈاکیہ ابّا کے
اچھے اچھے خط تمہیں دینا نہیں چاہتا ،

جواں مرد

اماں! جانے ہم سفر میں ہیں اور ایک اجنبی اور
خطرناک ملک میں کو گزر رہے ہیں،
تم ایک پالکی میں ہو اور میں تمہارے برابر ایک مشکی
گھوڑے پر سوار چل رہا ہوں،
شام ہوگئی ہے اور سورج غروب ہو رہا ہے، جوڑا
ڈِگی[1] کے کنارے والی بنجر زمین نظر کو زرد اور دُھندلی
معلوم ہوتی ہے، ساری زمین ویران اور غیر آباد ہے،
تم خوف زدہ ہوکر سوچ رہی ہو کہ خدا جانے ہم

[1] جوڑا ڈگی: ایک مقام کا نام ہے، ایسی جگہ جہاں دو جھیلیں ہوں،

کہاں چلے آئے،
میں تم سے کہتا ہوں "امّاں! ڈرتی کیوں ہو؟ ڈرنا نہ چاہیئے"
خاردار چراگاہ میں کو ایک تنگ بٹیا جاتی ہے،
یہاں اب مویشی نہیں ہیں کہ گاؤں کو واپس چلے گئے،
زمین اور آسمان پر برابر تاریکی بڑھتی جاتی ہے اور
ہمیں یہ خبر نہیں ہے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں،
ایسے میں تم اکدم چونک کر مجھ سے چپکے سے پوچھتی ہو "یہ دریا کے کنارے روشنی کیسی ہے؟"
ٹھیک اسی وقت ایک ہیبتناک آواز آتی ہے اور
بہت سی صورتیں ہماری طرف دوڑتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں، تم سہمی ہوئی پالکی میں بیٹھی ہو اور جتنی دعائیں تمہیں یاد ہیں سب ختم کر دیتی ہو،
کہار خوف سے گھبرا کر خار دار جھاڑیوں میں چھپ جاتے ہیں، میں تم سے پکار کر کہتا ہوں "امّاں! ڈرنا نہیں، میں موجود ہوں"
ہاتوں میں لاٹھیاں لئے ہوئے، سروں پر وحشیوں

کے سے بال بکھیرے ہوئے لوگ ہمارے قریب آتے
جاتے ہیں،
میں انہیں یہ کہہ کر ڈانٹتا ہوں "خبردار، وحشیو! اگر
ایک قدم بھی آگے بڑھے تو تمہارے سر تن سے جُدا
کردیئے جائیں گے"
پھر ایک مہیب آواز آتی ہے اور وہ لوگ ہم پر
جھپٹتے ہیں، تم میرا ہاتھ دبوچکر کہتی ہو "میرے بچے!
خدا کے لئے ان کو نہ چھیڑ"
میں جواب دیتا ہوں "امّاں! ذرا دیکھتی رہو"
اب میں تیش میں بھر کر اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتا ہوں
اور تیزی سے آگے بڑھتا ہوں اور میری شمشیر اور سپر کے
آپس میں ٹکرانے سے جھنکار پیدا ہوتی ہے،
لڑائی ہوتے ہوتے۔ ایسی دہشت ناک ہو جاتی ہے کہ
امّاں! اگر تم اپنی پالکی سے دیکھ سکتیں تو تم خوف سے
کانپ اُٹھتیں،
دشمنوں میں سے بہت سے بھاگ جاتے ہیں اور بہت
سے مارے جاتے ہیں،

میں خیال کی مدد سے جان لیتا ہوں کہ تم اکیلی بیٹھی ہوئی
سوچ رہی ہو کہ تمہارا بیٹا لڑائی میں مارا گیا،

لیکن میں تمہارے پاس خون میں تر بتر آتا ہوں اور
کہتا ہوں "اماں! لڑائی ختم ہوگئی"

تم پالکی سے باہر آکر مجھے پیار کرتی ہو اور اپنے سینہ
سے لگا لیتی ہو اور اپنے دل میں کہتی ہو "اگر میرا بچّہ
میری حفاظت کے لئے نہ ہوتا تو میں کیا کرتی!"

دن بہ دن ہزاروں بیکار اور فضول باتیں ظہور میں
آتی ہیں، آخر کیوں نہ ایسا ہو کہ کوئی اِس قسم کی بات
کبھی سچّی ہو جائے، چاہے اتفاق ہی سے سہی،

اگر یہ سب سچ ہو جائے تو کسی کتاب کی کہانی سے کم نہ
رہے، بھائی کہیں گے "یہ سب کیونکر ہوا؟ میں تو سمجھتا تھا
کہ یہ لڑکا بہت ہی کمزور اور نازک ہے"

ہمارے گاؤں کے لوگ کہیں گے "خوب ہی ہوا کہ
خوش قسمتی سے لڑکا اپنی ماں کے ساتھ تھا"

رخصت

اماں! اب میرے جانے کا وقت آگیا، اب میں جاتا
ہوں۔ جب صبح کی ہلکی ہلکی زرد تاریکی میں بستر پر تم اپنے
بچے کو پہلو میں لینے کے لئے ہاتھ بڑھاؤ گی تو میں کہوں گا
"بچہ اب وہاں نہیں ہے"۔ اماں اب میں جاتا ہوں،
میں ہوا کا ایک بہت ہی ہلکا سا جھونکا بن جاؤں گا
اور تمہارے گدگدیاں کروں گا، جب تم نہاؤ گی تو میں
پانی کی لہر بن کر تمہیں بار بار پیار کروں گا،
برسات کے موسم میں رات کے وقت جب مینہ کی
بوندیں پتّوں پر ٹپ ٹپ پڑ رہی ہوں گی تم میری سرگوشیوں

کی آواز سُنو گی اور میرا قہقہہ بجلی کے ساتھ تمہارے کمرے کی کھڑکی میں کوندے گا ،

جب تم رات گئے تک اپنے بچّے کے خیال میں جاگ رہی ہوگی تو میں ستاروں کی سرزمین پر سے تمہیں یہ گانا سُناؤں گا ،

"سو جاؤ، امّاں! سو جاؤ، امّاں!"

چاند کی بے راہ رو کرنوں میں مل جُل کر میں تمہارے بستر پر آؤں گا اور جب تم سو رہی ہوگی تو تمہاری گود میں لیٹ جاؤں گا اور تمہاری نیم باز آنکھوں میں گھُس کر تمہاری نیند کی گہرائیوں میں پہنچ جاؤں گا اور جب تم بیدار ہوگی اور چوکنّی ہوکر ہر طرف دیکھو گی تو میں جگ مگ کرتے ہوئے جگنو کی طرح آہستہ سے تاریکی میں کو چلا جاؤں گا ،

جب پوجا کے تیوہار پر پڑوسیوں کے بچّے آئیں گے اور گھر کے پاس کھیلیں گے تو میں بین کے سروں کی آواز میں مل جاؤں گا اور دن بھر تمہارے دل میں بیٹھ کر دھڑکوں گا ،

پچی پوجا کا پرساد لے کر آئیں گی اور پوچھینگی
"بہن انھّا کہاں ہے؟" تو امّاں تم اُن سے
کہوگی "وہ میری آنکھوں میں ہے، میرے جسم اور
میری جان میں ہے"

بازگشت

جب بچہ گیا تھا تو رات بہت اندھیری تھی اور
سب سو گئے تھے،
اب بھی رات اندھیری ہے اور میں اسے پکارتی ہوں
"میرے پیارے بچے! آجا، دنیا خواب راحت میں ہے
اور کسی کو خبر بھی نہ ہوگی اگر تو ایسے میں آ جائے کہ
ستارے ستاروں کی طرف تک رہے ہیں،
وہ اس وقت گیا تھا جب پیڑوں پر مول آ رہا تھا
اور بہار کا موسم تھا،
اب پھول کھل رہے ہیں اور میں کہتی ہوں" آجا!

میرے دل کی کلی آجا! بچے پھولوں سے کھیل رہے ہیں
کبھی اُنہیں جمع کرتے ہیں اور کبھی بکھیر دیتے ہیں، اور
اگر تو آجائے اور ایک چھوٹا سا پھول تو بھی اُٹھالے
تو کسی کو خبر بھی نہ ہوگی،

وہ جو کبھی کھیلا کرتے تھے اب تک کھیل میں
مصروف ہیں، زندگی کس قدر دولت لُٹاتی ہے،

میں ان سب کی گفتگو سُنتی ہوں اور کہتی ہوں،
"پیارے بچے! آجا، کہ ماں کا دل محبّت سے پُر ہے
اور اگر تو اس وقت ماں کی پیشانی پر بوسہ دے تو
اس پر کسی کو رشک نہ ہوگا"

چنبیلی کے پھول

ہائے یہ چنبیلی کے پھول ! یہ سفید چنبیلی کے
پھول مجھے وہ دِن یاد ہے جب میں نے پہلے پہل
ان پھولوں سے اپنے ہاتھ بھرے تھے،
صبح کے وقت سورج کی سُنہری روشنی سے آسمان کی
نیلگونی اور زمین کی سرسبزی و شادابی سے میرے دل
میں عجیب کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں،
خزاں کے موسم میں، خاموش اور سنسان جنگل میں
مجھے اکثر شام ہوگئی ہے؛

یہ وقت اور ایسے موقعہ پر کیسا دلفریب ہوتا ہے
مگر ہائے مجھے وہ دن اب تک یاد ہے جب میں نے
بچپن میں پہلے پہل چنبیلی کے پھول اپنے ہاتھ میں
لئے تھے،

میری زندگی میں بہت سے خوشی کے دن آئے اور
میں اکثر مسرور رہنے والوں کے ساتھ مسرور رہا ہوں،
برسات کی شام رنگ صبح کو میں نے اکثر اپنے راگ
کی آواز سے بھر دیا ہے،
میں نے کسی کے ہاتھ کا گوندھا ہوا مولسری کے
پھولوں کا ہار بڑی آرزوؤں کے ساتھ پہنا ہے،
مگر ہائے مجھے وہ دن اب تک یاد ہے جب بچپن
میں پہلے پہل میں نے چنبیلی کے پھول اپنے ہاتھ میں
لئے تھے،

بڑ کا پیڑ

اے بڑی بڑی جٹاؤں والے بڑ! کیا تو ایک
چھوٹے سے بچے کو ان چڑیوں کی طرح بھول گیا جو تیری شاخوں
میں رہیں سہیں پلیں بڑھیں اور چلی گئیں،

کیا تجھے یاد نہیں کہ وہ کھڑکی میں بیٹھ کر گھنٹوں
سوچتا رہا ہے کہ تیری جڑیں کیسے اس قدر پھیلیں اور
پھر زمیں دوز ہو گئیں،

عورتیں تالاب میں سے گھڑے بھرنے آئیں گی اور
تیرا بڑا سا کالا کالا سایہ پانی پر اس طرح لوٹے گا
جیسے نیند بیدار ہونے کے لئے بےچینی سے کروٹیں بدلتی ہو،

دھوپ پتّوں میں کو چھن چھن کر جب پانی پر گرتی
ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک چھوٹی سی مضطرب
نال طلائی مشجّر بُن رہی ہے،
دو بطیں کنارے کے قریب اپنے سایہ کے اوپر تیر
رہی ہیں، بچّہ خاموش بیٹھ کر گھنٹوں سوچتا ہے،
اُس نے بہت چاہا ہے کہ وہ ہوا بن جائے
اور تیری شاخوں اور پتّوں میں کو جھڑجھڑاتا ہوا نکلے،
تیرا سایہ ہو جائے اور جوں جوں دن گزرتا جائے وہ
پانی پر پھیلتا جائے، اس کی تمنّا رہی ہے کہ وہ ایک
چڑیا بن جائے اور تیری سب سے اونچی شاخ پہ بیٹھے
اور تالاب میں ان بطوں کی طرح تیرے سایہ میں تیرے،

بڑ کا پیڑ

اے بڑی بڑی جٹاؤں والے بڑ! کیا تو ایک چھوٹے سے بچے کو ان چڑیوں کی طرح بھول گیا جو تیری شاخوں میں رہیں سہیں پلیں بڑھیں اور چلی گئیں،

کیا تجھے یاد نہیں کہ وہ کھڑکی میں بیٹھ کر گھنٹوں سوچتا رہا ہے کہ تیری جڑیں کیسے اس قدر پھیلیں اور پھر زمیں دوز ہو گئیں،

عورتیں تالاب میں سے گھڑے بھرنے آئیں گی اور تیرا بڑا سا کالا کالا سایہ پانی پر اس طرح لوٹے گا جیسے نیند بیدار ہونے کے لئے بےچینی سے کروٹیں بدلتی ہو،

دھوپ پتّوں میں کو چھن چھن کر جب پانی پر گرتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک چھوٹی سی مضطرب نال طلائی مشجر بُن رہی ہے،

دو بطیں کنارے کے قریب اپنے سایہ کے اوپر تیر رہی ہیں، بچہ خاموش بیٹھ کر گھنٹوں سوچتا ہے،

اُس نے بہت چاہا ہے کہ وہ ہوا بن جائے اور تیری شاخوں اور پتّوں میں کو جھڑ جھڑاتا ہوا نکلے، تیرا سایہ ہو جائے اور جوں جوں دن گزرتا جائے وہ پانی پر پھیلتا جائے، اس کی تمنّا رہی ہے کہ وہ ایک چڑیا بن جائے اور تیری سب سے اونچی شاخ پر بیٹھے اور تالاب میں ان بطوں کی طرح تیرے سایہ میں تیرے،

دُعا

اِس ننّھی سی جان کو دُعا دو، اس نورانی ہستی
کی بلائیں لو، اسی کی وجہ سے زمین نے کچھ آسمانی
برکتیں حاصل کی ہیں،
یہ سورج کی روشنی پر فدا ہے، یہ ماں کے چہرے کی
ایک جھلک پر ہزار جاں سے نثار ہے،
اس نے ابھی مٹّی سے گھبرانا نہیں سیکھا، اسے ابھی
سونے کی تلاش میں سرگرداں پھرنا نہیں آتا،
اسے سینے سے لگالو، اس کی بلائیں لو، اسے دُعائیں
دو، یہ صدہا راہوں کی سرزمین پہ آیا ہے، خدا جانے

اس لئے اتنی بھیڑ میں سے تجھے کیونکہ پسند کر لیا، تیرے دروازے
پر آیا اور تیرا ہاتھ پکڑ کر راستہ پوچھ رہا ہے،
اب یہ تیرے ساتھ ساتھ چلے گا، ہنستا جائیگا، باتیں
کرتا جائیگا، اور اس کے دل میں کوئی شک پیدا نہ ہوگا،
دیکھنا! اسے دھوکا نہ دینا، اسے سیدھے رستے
لے جانا، اس کی بلائیں لینا، اسے دُعائیں دینا،
اپنا ہاتھ اس کے سر پہ رکھ اور دُعا کر کہ
(زندگی کے سمندر کی) موجیں کیسی ہی طوفان خیز ہوں
لیکن اے خدا تیری طرف سے چلنے والی ہوا (کشتی) کے
بادبانوں کو بھر دے اور اسے امن و اماں کے بہشت تک
پہنچا دے،
(کاروبار کی) عجلت میں کہیں بچّہ کو سینہ سے لگا کر
دُعائیں دینا اور بلائیں لینا نہ بھول جانا،

تحفہ

میرے بچّے! میں تجھے کچھ تحفہ دینا چاہتا ہوں کیونکہ ہم دُنیا کے سمندر میں بہاؤ پر چل رہے ہیں، ہم ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے اور ہماری محبّت فراموش کر دی جائیگی۔

لیکن میں ایسا بیوقوف نہیں ہوں کہ یہ سمجھ لوں کہ میں تحفے دے کر تیرے دل پر قبضہ کر لوں گا،

ابھی تو بچّہ ہے، تیرا سفر دراز ہے، تیری منزل دور ہے، ہماری محبّت کے لبریز جام کو تو ایک گھونٹ میں خالی کر دیتا ہے اور پھر کھیلتا ہوا دور بھاگ جاتا ہے،

تو کھیل میں غرق ہے، تیرے ساتھ کھیلنے والے تیری دلچسپیوں کا مرکز ہیں، ایسی صورت میں اگر تو ہمارے لئے وقت نہیں نکال سکتا تو کچھ زیادہ تعجب نہ ہونا چاہئے

ہمیں بڑھاپے کے زمانہ میں اپنے گزرے ہوئے دن گننے کی بہت فرصت ہے، جو وقت ہمارے ہاتوں سے ہمیشہ کے لیئے نکل گیا ہے اس کی یاد سے دل بہلانے کا شغل جاری ہے،

دریا گیت گاتے ہوئے بہ رہا ہے، ہر روک پر اسکی دھار ٹوٹ جاتی ہے اور مختلف شاخوں میں کو بہ نکلتا ہے لیکن پہاڑ استقلال سے ایک جگہ قائم ہے، اور اس کی محبت ہمیشہ دریا کے ساتھ رہتی ہے،

میرا گیت

میرا یہ گیت تیرے اردگرد محبّت بن کر چھا جائیگا
جیسے کوئی تیرا شیدائی تیرے گلے میں بائیں ڈال لیتا
ہے،
میرا یہ گیت تیری پیشانی پر بوسہ دے گا، ایسا بوسہ
جس کے ساتھ برکتوں کا نزول ہوتا ہے،
خلوت میں یہ تیرے قریب رہ کر تیرے کانوں کو مسرور
کرے گا، جلوت میں یہ تیرے گرد احاطہ بنا کر تجھ سے
الگ رہے گا، اور تجھے سب سے الگ رکھے گا،
میرا گیت تیرے خیال کی پرواز کے لئے بازوؤں کا

کام دے گا، یہ تجھے ان دیکھی دنیا کی حدوں تک لیجائیگا،
جب تیری زندگی کے رستے میں اندھیری رات ہوگی تو
یہ ستارہ بن کر تیری رہنمائی کرے گا،
میرا گیت تیری آنکھوں کی پتلیوں تک جا گزیں
ہوگا اور تیری نظر ہر چیز کے دل میں اتر جائے گی،
اور جب موت تجھے خاموش کردے گی تو میرا
گیت تیرے دل سے نکلے گا جو زندگی سے معمور
ہے،

فرشتہ

لوگ آپس میں لڑتے ہیں، لوگ بیم و رجا کے
دھڑکوں سے نڈھال ہیں، ان کی پریشانیوں کی حد
نہیں،

جا! میرے بچے جا! تو امن و سکون کا چراغ بنکر
ان کے دلوں کو روشن کر دے، سکوت کی نعمتوں سے
انہیں آگاہ کر دے،

یہ رشک و حسد کے بندے ہیں، لالچ اور حرص کے
پتلے ہیں، ان کے لفظوں کے پردوں میں خون کی پیاسی
چھریاں چھپی ہوئی ہیں،

میرے بچّے ! جا اور ان لڑنے والوں کے بیچ میں کھڑا ہو جا اور محبّت بھری نگاہوں سے دن بھر کے جھگڑوں کو ختم کر دینے والی شام کی طرح امن و امان کا پردہ ڈال دے ،

میرے بچّے ! جا اپنا چاند سا مکھڑا دکھا دے کہ اس طرح انہیں سکون نصیب ہو ، لوگوں کو موقعہ دے کہ وہ تجھ سے محبّت کریں اور اس طرح آپس میں ایک دوسرے سے محبّت کرنا سیکھ لیں ،

آ اور ابد کے پہلو میں پناہ گزیں ہو ، صبح کے وقت کلی کی طرح شگفتہ ہو جا ، شام کے وقت اپنا سر جھکا لے اور سکون و خاموشی میں دن کی پرستش ختم کر ،

سودا

صبح ہی صبح جب میں پتھریلی سڑک پر چل رہا تھا
میں نے پکار کر کہا "آ! مجھے آکر خرید لے"
ہاتھ میں تلوار لئے راجہ اپنی رتھ میں آیا، اُس نے
میرا ہاتھ پکڑ کر کہا "میں تجھے اپنی قوّت اور طاقت
کے بھروسے پر خریدوں گا"
لیکن اس کی قوّت اور طاقت بے حقیقت تھی اور
وہ اپنے رتھ میں بیٹھ کر چلا گیا۔
دوپہر کی تیز دھوپ میں جب سب گھروں کے
دروازے بند تھے، میں پیچ دار گلیوں میں پھر رہا تھا،

ایک بوڑھا آدمی اشرفیوں کی تھیلی لے کر نکلا اور
تھوڑی دیر سوچ کر بولا "میں تجھے اپنے روپیہ سے
خریدوں گا"
اُس نے ایک ایک کر کے اشرفیوں کو نکالا اور
گنا، لیکن میں نے کچھ نہ سُنا اور وہاں سے چل دیا،
شام کا وقت تھا اور باغ کی جھاڑی پھولوں سے
لد رہی تھی حُسن کی دیوی آئی اور کہا "میں تجھے اپنی
مسکراہٹ سے خرید لوں گی"، اس کے تبسّم کا حُسن آنسو ہو کر
بہ گیا اور وہ تاریکی میں تنہا چلی گئی،
دھوپ بالو پر لوٹ رہی تھی اور سمندر کی ضدّی
موجیں بیتاب ہو ہو کر سر پٹکتی تھیں،
ایک بچّہ بیٹھا ہوا سیپیوں سے کھیل رہا تھا اس
نے اپنا سر اُٹھایا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مجھے
جانتا ہے، کہنے لگا "میں تجھے بندۂ بیدام بنا لوں گا"
اُس وقت سے بچّے کے کھیل کے اس سودے
نے مجھے آزاد کر دیا،

طوفان

سررابندروناتھ ٹگور کے مشہور ناول "ناؤ کا ڈوبی" کا اردو

ترجمہ

از

حامد اللہ افسر بی۔ اے

قیمت ۸عہ

زیر طبع ہے

انڈین بک ڈپو اندرکوٹ میرٹھ

مطبوعہ نامی پریس میرٹھ

اسی مصنف کے قلم سے

چار چاند: بچّوں کے لئے چار نہایت دلچسپ کہانیوں کا مجموعہ،
ان کہانیوں میں بچّوں کے حقیقی جذبات کی ترجمانی کی گئی ہے، چار دل
کہانیاں بچّوں کی زبان میں ہیں اور انتہا درجہ دلچسپ اور سبق آموز ہیں
لکھائی چھپائی نہایت عمدہ — قیمت ۵ر

الن اور وطن کا راگ: مسٹر حامد اللہ افسر کی مقبول عام نظموں کا
مجموعہ۔ اس کتاب کی بعض نظموں کی دستی نقلیں لوگ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے
ہیں۔ اکثر نظمیں اخبارات اور رسائل میں شائع ہوکر بے حد مقبول ہوئی ہیں، قیمت

داستانِ اردو: اردو زبان کی مختصر تاریخ، آبِ حیات کے بعد اس موضوع
پر اردو میں اور کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی، (زیرِ طبع) قیمت عہ

افسانہائے ٹیگور: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ "ٹیگور کے مختصر افسانے
انکی نظموں سے بھی بہتر ہیں"، اس سے ظاہر ہے کہ ٹیگور کے افسانے کس قدر مقبول
ہیں، یہ کتاب ٹیگور کے بارہ مختصر فسانوں کا اردو ترجمہ ہے، لکھائی چھپائی نہایت
عمدہ، کاغذ سفید اور چکنا۔ قیمت عہ

ملنے کا پتہ: مینیجر انڈین بک ڈپو، اندرکوٹ شہر میرٹھ

Printed by
Munshi Mahboob Ali at the Nami Press, Meerut.